محترمہ جمیلہ شوکت

جدید شام کے دو نامور مصلح

جمال الدین قاسمی اور سید رشید رضا

بغداد کی تباہی سے مسلم معاشرہ جس زوال و انتشار کا شکار ہوا تھا وہ بعد کے ادوار میں حیاتِ ملی کے جملہ پہلوؤں پر محیط ہوگیا۔ اس عمل کی راہ میں ایک مدت تک اگر کوئی قوت مزاحم رہی تو وہ عثمانی سلطنت تھی۔ سقوطِ بغداد کے بعد مسلمانوں کی سب سے عظیم اور مستحکم حکومت عثمانی ترکوں کی تھی لیکن رفتہ رفتہ عثمانی خلافت بھی کمزوری اور اضمحلال کا شکار ہو گئی۔ دوسری طرف اہلِ یورپ جو مسلمانوں کے ترقی و عروج کے دور میں جہالت و تاریکی میں تھے، ترقی کی منازل بڑی سرعت سے طے کر رہے تھے۔ علوم و فنون کا بازار گرم تھا۔ نئی نئی ایجادیں ہو رہی تھیں اور یورپ ہر میدان میں مسلمانوں پر سبقت لے جا رہا تھا۔

اہلِ یورپ نے مسلمانوں کی اس پستی اور زوال سے فائدہ اٹھایا۔ انھوں نے سب سے پہلے اپنے ان علاقوں کو، جو مسلمانوں کے قبضہ میں تھے ان کے تسلط سے آزاد کرایا۔ اور پھر ترکی اور اس کے ماتحت مسلم ممالک میں اثر و نفوذ کے لیے مختلف طریقے استعمال کیے۔ تاکہ وہ مسلمانوں میں افتراق و انتشار پیدا کر سکیں۔ بدقسمتی سے بعض عرب زعما نے استعماری طاقتوں کی درپردہ مدد کی جس کے نتیجہ میں وہ عثمانی قلمرو کے بیشتر علاقوں پر کلی یا جزوی طور پر قابض ہوگئے۔

موجودہ صدی کے آغاز تک شام بھی عثمانی خلافت کے زیر نگیں تھا اور استعماری قوتیں یہاں بھی مسلمانوں میں انتشار پھیلانے میں مصروف تھیں۔ دوسری طرف آخری عثمانی خلفا کی نااہلی اور ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے حالات بہت خراب ہو گئے تھے۔ حکمران ٹولہ استعماریوں

کے ہاتھ میں آلہ کار بن گیا تھا اور عوام پر ظلم ہو رہا تھا۔ کچھ عرب زعمانے[1] بھی اہلِ یورپ کے لیے شام پر تسلّط کا راستہ ہموار کر دیا۔ انھوں نے دین و سیاست میں تفریق کی اور عثمانی خلفا کا بڑا تاریک پہلو پیش کیا اور عربوں کو ترکوں کے خلاف اکسانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ ۱۹۱۸ء میں سلطنت عثمانیہ سے عرب ملکوں کا تعلق ختم ہو گیا[2] شام میں ملک فیصل کی بادشاہت کا اعلان کر دیا گیا لیکن فرانسیسی فوجوں کے سامنے وہ زیادہ دیر نہ ٹھہر سکا[3] اور شام کلی طور پر فرانسیسی فوج کے قبضہ میں آگیا۔ فرانس نے شامیوں پر ظلم و ستم کیے اور آزادی کی راہ مسدود کرنے کے تمام حربے اور طریقے استعمال کیے[4] لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود فرانسیسی فوجیں شامیوں کے جذبۂ حریت و آزادی کو سرد نہ کر سکیں اور آخر کار انھیں ۱۹۴۶ میں شام چھوڑنا پڑا۔ جمہوریۂ شام کے پہلے صدر شکری القوتلی (م ۱۹۶۷) نے جو تاریخی خطاب کیا اس میں انھوں نے اس دن کو الیوم النصر العظیم والفتح المبین قرار دیا۔

اہلِ اسلام نے اپنے وطن سے استعماریوں کے غلبہ کو ختم کرنے کے لیے مختلف تدبیریں اختیار کیں۔ جلا وطن رہنماؤں اور ان شامیوں نے جو پہلے سے مصر اور مغربی ممالک میں آباد تھے، قاہرہ اور پیرس وغیرہ میں نشر و اشاعت کے مراکز قائم کیے جہاں سے تحریک آزادی کے لیے مواد شائع ہوتا تھا۔ وہ راہنما جو ملک سے باہر آزادی کے لیے کام کر رہے تھے ان میں سید رشید رضا، امیر شکیب ارسلان اور ریاض بک کے نام سرفہرست ہیں اور ملک میں رہ کر اصلاح

---

[1] عبد الرحمٰن الکواکبی (م ۱۹۰۲) کی دینی حمیت اور اخلاص اگرچہ شبہ سے بالا ہے لیکن استعماری قوتوں کے پروپیگنڈا سے وہ بھی متاثر ہو گئے تھے۔ انھوں نے اپنی کتاب ام القریٰ میں عثمانی خلفا پر بعض ایسے الزامات لگائے ہیں جو تاریخی حقائق کے خلاف ہیں۔ اسی طرح ایک عیسائی مصنف سلیمان بستانی نے اپنی کتاب ذکری و عبرۃ میں صحیح و وضعی حکایات کی مدد سے عثمانی خلفا کی بڑی بھیانک تصویر پیش کی ہے۔ ان کتابوں سے عثمانی سلاطین کے مخالف مسلمانوں اور یورپی اقوام کو جو سلطنتِ عثمانیہ کو تقسیم کرنے کے منصوبے بنا رہی تھیں بڑی مدد ملی۔

[2] الادب العربی المعاصر فی سوریہ، ص ۱۱۔

[3] ایضاً، ص ۱۸، ۱۹

[4] ایضاً، ص ۲۰، ۲۱

تجدید کا کام کرنے والوں میں جمال الدین قاسمی بہت ممتاز تھے۔ اس مضمون میں شام کے صرف دو ممتاز رہنماؤں جمال الدین قاسمی اور سید رشید رضا کی اصلاحی کوششوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ان دونوں کا تعلق مفتی محمد عبدہٗ کے مکتبِ فکر سے ہے۔[۵۵]

جمال الدین قاسمی

لادینی نظریات، استعماریوں کے ظلم و جور اور عثمانی خلفا کی نااہلی کے خلاف آواز اٹھانے والوں میں جمال الدین قاسمی کا نام نمایاں ہے۔ وہ ۱۲۸۳ھ (۱۸۶۶) میں دمشق میں پیدا ہوئے۔[۵۶] علمی و ادبی ماحول میں نشو و نما ہوئی۔[۵۷] ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی جو اپنے وقت کے بہت بڑے ادیب و فقیہ تھے۔[۵۸] علومِ عقلی و نقلی ہم عصر علما سے حاصل کیے۔

ابتدا میں تعلیم و تدریس میں اپنے والد کے معاون رہے۔ ایک عرصہ تک ان کا یہ طریق رہا کہ ماہِ رمضان میں ملک کے مختلف گوشوں میں جاکر درس و تدریس اور وعظ و نصیحت کی مجالس قائم کرتے۔

جمال الدین سلفی العقیدہ تھے۔[۵۹] تقویٰ، دیانت و قناعت ان کے نمایاں اوصاف تھے۔[۶۰] جمال الدین کے زمانے میں بیشتر عرب علاقوں اور شام پر بھی ترکوں کا تسلط تھا۔ استعماری قوتوں کے اثر و نفوذ کی وجہ سے مسلمانوں میں ضعف و پستی کے آثار نمایاں تھے۔ حریت و آزادیٔ فکر مسلوب تھی۔ ناخواندگی عام تھی۔ صحیح علم مفقود تھا۔ اذہان زنگ آلود ہو گئے تھے۔ تقلید کا دور دورہ تھا۔ کتبِ تفسیر کا پڑھنا ممنوع تھا اور کتبِ حدیث محض تبرک کے طور پر پڑھی

---

۵۵ کان جمال الدین قاسمی لا یختلف فی نهجه الاصلاحی عن نهج الشیخ محمد عبدہٗ۔ الادب العربی فی سوریہ، ص ۷۴

۵۶ الاعلام، ۲ : ۱۳۱ ، قواعد التحدیث، ص ۲۰

۵۷ مجلۃ المنار، ۵۵۸ ، ایضاً ، ص ۲۰

۵۸ الادب العربی فی سوریہ، ۷۴

۵۹ الاعلام، ۲ : ۱۳۱ ۶۰ الادب العربی، ۷۵

جاتی تھیں۔ صرف ان کتب فقہ کو پڑھنے کی اجازت تھی جن میں غیر اہم مباحث کی بھرمار تھی، اور جو تعصب کے زیر اثر لکھی گئی تھیں تاکہ ناسمجھ عوام فقہی موشگافیوں میں الجھے رہیں۔ رشوت چور بازاری و ہمہ قسم کی برائیاں معاشرہ میں مروج تھیں۔ عورت کی بھی وقعت نہ تھی۔ تعلیم کے دروازے اس پر بند تھے اور اس کا دائرہ کار صرف گھر کی چار دیواری تھی۔

قاسمی نے نکبت و پستی کی اس گھٹی ہوئی فضا میں تمام زندگی گزاری۔ انھیں اپنی قوم کی ذہنی پس ماندگی اور دینی بے مائگی کا پورا احساس تھا۔ تقلید میں عقل اس حد تک اندھی ہو چکی تھی کہ وہ ہر نئی چیز کو دین و مذہب کے خلاف سمجھتے۔ اجتہاد کو معیوب گردانتے جس کی وجہ سے زندگی کے ہر میدان میں ادبار و مایوسی کی فضا چھائی ہوئی تھی۔ دین، وطن اور قوم کی محبت قاسمی کے دل میں بدرجۂ اتم موجود تھی اور عوام کو صحیح راہ پر چلانا ان کا نصب العین تھا۔ ان کی کوشش تھی کہ وہ اس بے جان اور مردہ قوم کو ایک زندہ اور ترقی پذیر قوم بنا دیں۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے اپنی پوری زندگی دینی و فکری اور معاشرتی اصلاح کے لیے وقف کر دی اور ان تمام تحریکوں میں شمولیت کی جو عربوں کی آزادی کے لیے کام کر رہی تھیں۔ قاسمی کو حریت سے ایمان کی حد تک عشق تھا اور ان کو اصلاحی مساعی کی وجہ سے حکام اور علمائے سوء کی مخالفت کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ جیسا کہ سامی الکیالی رقم طراز ہیں: شارک فی جمیع الحرکات التی ترمی الی تحریر العالم الاسلامی والعربی عن الظلم والعسف وقد تعرض من جراء ذلک الی کثیر من صنوف التعذیب والحرمان وکانت صیحۃ الاصلاح التی انبعثت من ضمیرہ تلاقی فی تلک الفترۃ معارضۃ شدیدۃ من الحکام والمتزمتین [11]

لیکن قاسمی نے ان شدائد و مصائب کی پرواہ نہ کی اور اپنے اصلاحی کام میں مصروف رہے۔ وفی ھذا الجو الخلقی المرعوب عاش القاسمی یعمل عمل اصلاحی دما وسعہ الاصلاح [12]

---

[11] الأدب العربی فی سوریۃ، ۷۵ [12] ایضاً

قاسمی نے بدعات وخرافات اور اوہام باطلہ کو ختم کرنے کا یہ طریق اختیار کیا کہ اپنی اصلاحی کوششوں اور آرا کو متقدمین کی زبانی لوگوں تک پہنچایا۔ کیونکہ لوگ متقدمین کے علاوہ کسی کی بات سننے کے لیے آمادہ نہ تھے۔ قاسمی نے بدعات کی تردید میں مستقل کتب تصنیف کیں۔ قرآنِ حکیم کی تفسیر کرتے ہوئے کسی آیت کے مضمون سے اگر بدعت کی تردید ممکن ہوتی تو شرح و بسط سے اس کو بیان کرتے اور بدعت کی برائیوں اور خرابیوں پر روشنی ڈالتے [۱۳]

وطن کی محبت کو قاسمی باعثِ فضیلت سمجھتے اور دین کی حفاظت کے لیے جہاد کو لازمی قرار دیتے تھے۔ وہ قدیم علوم کے ساتھ جدید علوم کی تحصیل پر بھی بہت زیادہ زور دیتے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ اگر محض عقل پر بھروسہ نہ کیا جائے تو علومِ جدیدہ انسان کو خدا سے نزدیک کرتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ استعمار کے تسلّط کا باعث مسلمانوں کا علوم وفنون سے بے بہرہ ہونا عیش وعشرت میں پڑے رہنا اور اپنی قوتوں کو ضائع کر دینا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عالم اسلام جس دور سے گزر رہا ہے اور جس خطرناک صورتِ حال کا اسے سامنا ہے اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے علومِ جدیدہ کی تحصیل لازمی ہے۔ اگر مسلمان عزت و سرفرازی کے طالب ہیں تو عصری علوم سیکھیں اور جدید جنگی قوت وتنظیم سے مسلح رہیں۔ وہ حکومتِ وقت کو بھی تنبیہ کرتے ہیں۔ کہ دشمن ہر آن بلادِ اسلامیہ کو ہڑپ کرنے کی تدبیریں کر رہا ہے۔ اس لیے اسے خوابِ خرگوش سے بیدار ہونا اور حربی استعداد میں ترقی کرنا چاہیے [۱۴]

تحریم ربا کے مسئلہ میں قاسمی سلف کے عقیدے پر قائم ہیں، ان کا خیال ہے کہ اس سے خارجی اور داخلی استبداد کو ترقی ہوتی ہے اور عوام دو طبقوں میں منقسم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ حران کے اس قول کے موید ہیں: ان الربا والایمان لا یجتمعان [۱۵]

جمال الدین نے محسوس کیا کہ استعماری قوتیں اپنے غلبے اور نفوذ اور مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لیے دین وسیاست کی تفریق کا پرچار کر رہی ہیں اور متجددین اور استعماریت سے

---

[۱۳] الادب العربی فی سوریہ، ص ۵۰

[۱۴] محاسن التاویل، ۸: ۳۰۲۶ [۱۵] ایضاً، ۳: ۷۱۱

متاثر بہت سے ذہنوں نے اس بات کو قبول کرلیا اور باقاعدہ ایک تحریک چلائی اور پرملا کہنے لگے کہ عربوں کی نجات اسی میں ہے کہ وہ دین و سیاست میں تفریق کو قبول کرلیں۔ بقول محمد حسین متجددین کی اس غلط فہمی کو چند امور نے اور راسخ کر دیا[۱۶] قاسمی نے اس تحریک کے نتائج قبیحہ کو محسوس کیا۔ انھوں نے سیاست میں بھی بھرپور حصہ لیا اور یہ بتلایا کہ دین نہ سیاست لازم و ملزوم ہیں۔ الأدب العربی کے کوائف کے بقول کان یری السیاسۃ جزء من الدین[۱۷]

غرضیکہ قاسمی نے مسلمانوں اور عربوں کی اصلاح و بیداری کے لیے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ رشید رضا نے انھیں چودھویں صدی کے مصلحین و مجددین میں شمار کیا ہے[۱۸] سرزمین شام کا یہ درخشندہ ستارہ جس نے اپنے پیشروؤں کے اصلاحی کام کو خاموشی اور کامیابی سے آگے بڑھایا تھا، ۱۳۳۲ھ (۱۹۱۴ء) میں خالق حقیقی سے جا ملا[۱۹]

جمال الدین قاسمی نے سو کے قریب تصنیفات چھوڑی ہیں۔ تفسیر محاسن التاویل ان کی بہت اہم تصنیف ہے اور علما نے ان تصانیف کی بڑی فراخ دلی سے تعریف کی ہے[۲۰]

۲۔ سید رشید رضا

سید محمد رشید بن علی بن رضا ۱۸۶۵ء میں پیدا ہوئے[۲۱] اپنے وقت کے مشہور علما سے علوم متداولہ حاصل کیے۔ بچپن ہی سے ذکاوت و فطانت میں مشہور تھے۔ کوئی بات بلا سوچے سمجھے قبول نہیں کرتے تھے اور ہر مسئلہ کو عقل و فہم کی کسوٹی پر پرکھا کرتے تھے۔

رشید رضا ایک عظیم مصلح تھے۔ ان میں وہ تمام خوبیاں بدرجۂ اتم موجود تھیں جو ایک کامیاب

---

۱۶ حسن البنا، کی ڈائری، ص ۳۳ بحوالہ الاتجاھات الوطنیہ، ص ۱: ۲۶۵، ۲۶۶

۱۷ الادب العربی، ۵۷، قواعد التحدیث، ۲۷

۱۸ قواعد التحدیث، ۱۳ ۱۹ الاعلام، ۲: ۱۳۱

۲۰ قواعد التحدیث، ص ۷، ۸۔ پر شکیب ارسلان اور سید رشید رضا کے بیانات درج ہیں۔

۲۱ الاعلام: ۶: ۳۶۱

مصلح کے لیے ضروری ہیں۔ اصلاح امت کا جذبہ "العروۃ الوثقیٰ" کی نشاۃِ ثانیہ کی پکار کو سن کر پیدا ہوا۔ جس کی دعوت بقول مریم جمیلہ یہ تھی "کہ دنیا بھر کے مسلمان مغربی سامراج کا مقابلہ کرنے کے لیے متحد ہو جائیں اور عظمتِ رفتہ حاصل کرنے کی جدوجہد کریں"[۲۲]

یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ رشید رضا کے پہلے معلم امام غزالی تھے اور دوسرا مجلہ "العروۃ" جس نے ان کی زندگی کا رخ ہی بدل دیا اور ان کے سامنے ایک نیا نصب العین قائم ہو گیا۔ اس رسالہ نے رشید رضا کو بہت زیادہ متاثر کیا۔ جس کے متعلق ان کے استاد حسین الجسر کا یہ قول تھا کہ "اگر العروہ کافی عرصے تک جاری رہا تو انقلابِ عظیم کا پیش خیمہ ثابت ہوگا"[۲۳]

رشید رضا اسی رسالے کے ذریعے مسلمانوں کے زوال کے اسباب اور اہلِ مشرق کے فرائض سے واقف ہوئے۔ استعماری ذہن کی اتہام تراشی کا جواب یہ مجلہ بڑے مؤثر اور مدلل طریقے سے دیتا تھا اور اہلِ مشرق کو تمام مشکل مسائل سے نمٹنے کے لیے تیار کرتا تھا۔ رشید رضا اس رسالے کے مدیر سید جمال الدین افغانی سے اس حد تک متاثر تھے کہ ابراہیم العدوی نے اپنی کتاب میں ان کو عاشقِ جمال الدین کا خطاب دیا ہے[۲۴] سید جمال الدین افغانی کی زیارت و صحبت سے تو وہ محروم رہے لیکن ان کے شاگرد رشید محمد عبدہٗ کے حلقۂ تلامذہ سے وابستہ ہو گئے۔ ۱۸۹۷ء میں رشید رضا شام سے قاہرہ چلے گئے اور وہیں کے ہو رہے[۲۵]

قاہرہ میں محمد عبدہٗ کے ساتھ مل کر اپنے روحانی پیشوا اور استاد جمال الدین افغانی کے اصلاحی کام کو جاری رکھا۔ اصلاح احوال کے سلسلے میں رشید رضا نے اپنے استاد کے سامنے ایک رسالہ کے اجرا کی تجویز پیش کی۔ امام صاحب نے مشروط طور پر اجازت دے دی[۲۶] اور باہمی مشورے سے اس کا نام "المنار" رکھا گیا[۲۷] اس مجلہ کا مقصدِ اولین "العروہ" کی روایات و تعلیمات کا

---

۲۲ اسلام ایک نظریہ، ایک تحریک، ص ۲۳۸

۲۳ الامام المجاهد، ص ۷۱ ۲۴ ایضاً، ص ۹۷

۲۵ زرکلی قاہرہ کو ان کا وطن ثانی کہتا ہے، الاعلام، ۶: ۳۶۱

۲۶ الامام المجاهد، ۱۳۱ ۲۷ ایضاً، ۱۳۳

احیا تھا۔ تاکہ اجتماعی، دینی اور اقتصادی اصلاحات کا راستہ ہموار ہو سکے اور موجودہ حالات کے مطابق اسلام کی موزونیت و حقانیت ثابت کی جا سکے[۲۸]

رشید رضا نے اصلاحی کوششوں کا آغاز اپنی بستی قلمون میں ہی کر دیا تھا۔ جمعۃ المبارک کے خطبوں میں ان کا انداز تخاطب سادہ، آسان اور مؤثر ہوتا۔ ان کا مقصد امتِ مسلمہ کی اصلاح تھا۔ وہ مسلمانوں کو خیر الامت ہونے کی حیثیت سے ان کے فرائض و واجبات کا احساس دلاتے۔ نماز روزہ، زکوٰۃ وغیرہ فرائض کے ترک کرنے والوں کو سرزنش کرتے اور محاسبۂ آخرت کا احساس دلاتے[۲۹] فاسد خیالات و عقائد کو دور کرنے کی کوشش کرتے اور ان میں عمل کی روح بیدار کر دیتے۔ آپ اکثر ہوٹلوں اور قہوہ خانوں میں چلے جاتے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت سے بدعات سے مجتنب رہنے کی تلقین کرتے[۳۰]

سید مسلمانوں کی پستی پر متاسف ضرور تھے لیکن اصلاح سے ناامید نہ تھے۔ ان کا قول ہے کہ اگر آج مسلمان اسلام کی طرف لوٹ آئیں اور تمام قوانینِ مملکت کو قرآن و سنت کی روح کے مطابق کر دیا جائے تو آج بھی یہ قوم عزت و عظمتِ رفتہ کو حاصل کر سکتی ہے۔ معاشرہ میں مروج برائیوں کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مختلف فرقوں میں اختلاف اور زندیقوں اور فلسفیوں کے نظریات نے دین کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ مغربی استعمار نے بھی مسلمانوں میں خرابیاں اور برائیاں پیدا کر دیں جو ان کے زوال کا باعث ہوئیں۔ رشید رضا معاشرہ کی خرابیوں اور برائیوں کی صرف نشاندہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ایک طبیب حاذق کی مانند ان کا علاج بھی تجویز فرماتے ہیں۔ رشید رضا برائیوں کی اصل وجہ تعلیم کی کمی اور تربیت کے فقدان کو قرار دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ وہ قوم جو علوم و فنون سے اعراض کرتی ہے، اس کی بدبختی

---

۲۸ المنار کا پہلا شمارہ ۱۳۱۵ھ (۱۸۹۸ء) میں منظر عام پر آیا۔ اجرا کے مقصد کا اندازہ المنار کے پہلے اور دوسرے شمارے کے مقدمہ سے بخوبی ہو سکتا ہے، کہتے ہیں: ..... ایہا الشرقی المستغرق فی منامہ اعلم ان ہذا العصر عصر العلم فمن علم و عمل سادہ و من جہل و کسل باد۔ الامام المجاہد، ۱۳۶، ۱۳۷

۲۹ الامام المجاہد، ۴۵، ۴۶ ۳۰ ایضاً، ۴۸

اور شقاوت کو دنیا کی کوئی شے دور نہیں کر سکتی۔ ہر وہ قوم جو صفحۂ تاریخ پر اُبھرتی اس کی عظمت کا راز علوم و فنون کی ترقی میں ہی تھا۔ وہ کہتے ہیں ..... العلم یصلح کل خلل ویشفی من جمیع العلل [۵۳۱] سید علوم نقلیہ کے ساتھ علوم عقلیہ کی تحصیل کی اہمیت پر توجہ دلاتے ہیں کیونکہ ان کے حصول کے بغیر عصرِ حاضر میں عزت کے ساتھ زندہ رہنا محال ہے۔ وہ مدارس کے قیام کو مسجد کی تعمیر سے بھی افضل گردانتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ اگر امتِ مسلمہ دینی شعور اور تعلیم سے بے بہرہ ہوگی تو وہ فرائض دینیہ صحیح طریق پر ادا نہ کر سکے گی اور مذہب عقیدہ لایحل بن کر رہ جائے گا [۵۳۲]

رشید رضا تعلیم کے ساتھ تربیت پر بھی بہت زور دیتے ہیں۔ ان کا قول ہے:

ان التربیۃ والتعلیم متلازمان بمعنی ان الثانی لازم للاول لایتم الا بہ بل ھو جزء منہ لان التربیۃ علی ثلاثۃ ضروب تربیۃ الجسم وتربیۃ النفس وتربیۃ العقل ھذا الاخیر ھو عین التعلیم ثم کل منھما یحتاج للعلم والتعلیم [۵۳۳]

رشید رضا نے عورتوں کی تعلیم و تدریس کا بھی خاص اہتمام کیا۔ وعظ و نصیحت کا آغاز اپنے گھر کی عورتوں سے کیا اور آسان و سادہ زبان میں عقائد و احکام کی تلقین کی۔ حدودِ دین میں رہ کر زیب و زینت کی ترغیب دلائی۔ اور غیر اسلامی رسوم و رواج کے خلاف ان کے شعور کو بیدار کیا کیونکہ بدعات و خرافات اور رسومات کا اسیر زیادہ تر طبقۂ نسواں ہی ہوتا ہے۔ رشید رضا عورتوں کو اخلاق حسنہ اختیار کرنے کی تاکید کرتے تاکہ ان کی آغوش میں پلنے والے مستقبل کے معمار بھی عمدہ اخلاق و عادات سے مزین ہوں۔ ان کا عقیدہ تھا کہ عورت کی تعلیم پوری امت اور معاشرہ کی تعلیم ہے۔

---

[۵۳۱] الامام المجاھد، ص ۷۵

[۵۳۲] سید رشید نے خود اسلامی طریقہ تعلیم کو بہتر بنانے اور اس کے ساتھ دینی تربیت کو شامل کرنے کے لیے مدرسہ الدعوۃ والارشاد قائم کیا تھا۔

[۵۳۳] الامام المجاھد، ص ۷۵

سید رشید رضا نے اصلاح و تجدید کی جس عظیم اور گراں بار ذمہ داری کو قبول کیا تھا وہ عوام اور اہل خانہ تک ہی محدود نہ تھی بلکہ انھوں نے علما و حکام کی جانب بھی توجہ مبذول کی۔ ان کا قول ہے کہ اصلاح معاشرہ کے لیے علما و حکام کی اصلاح لابدی ہے۔ فرماتے ہیں: صلاح حال العلماء والحکام یصلح حال الامۃ و فساد حالھما مفسد لحال الامۃ باسرھا [۳۴]

معاشرہ میں موجود خرابیوں اور برائیوں کی اصل وجہ وہ علمائے سوء اور حکام ہی کو قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں: اذا رأیت الکذب والتزور والریاء والنفاق والحقد والحسد واشباھھا من الرذائل فاشیۃ فی امۃ فاحکم علی امرائھا وحکامھا بالظلم والاستبداد وعلمائھا ومرشدیھا بالبدع والفساد والعکس بالعکس [۳۵]

یعنی معاشرہ میں جھوٹ، ریا، رشوت، کینہ، حسد جیسے عیب حکام کے ظلم و استبداد کے نتیجہ میں پھیلتے ہیں اور بدعات و خرافات علما کے بگاڑ کی وجہ سے عام ہوتی ہیں۔ اسی لیے رشید رضا نے اپنے پیغام کی ان دونوں طبقوں میں اشاعت کی اور یہ واضح کیا کہ علما ہی اخلاق و عادات کی درستی اور صحت و سلامتی کے ذمہ دار ہیں۔ وہی بیماریوں کا کھوج لگا کر ان مفاسد کو ختم کر سکتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سلف صالحین بھی اس روش اور طریق پر عمل کر کے دینی و دنیوی کامیابی و کامرانی سے ہم کنار ہوئے تھے [۳۶]

رشید رضا کا تعلق قلمون کے رئیس خاندان سے تھا جس کی وجہ سے ان کو بڑے بڑے حکام کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ رشید رضا نے ان کی عیش پسندی اور کاہلی کو عدل و انصاف کے تقاضوں کے منافی قرار دیا اور کہا کہ اس کے نتیجہ میں ظلم و جور پیدا ہوتا ہے۔

رشید رضا دین و سیاست میں تفریق کے قائل نہ تھے۔ ان کا قول ہے کہ حکومت کی تباہی کا سبب حکام کا دین سے بے تعلق اور دور رہنا ہی ہے۔ ان الذی اضعف الدولۃ ھو جھل العلماء بالسیاسۃ وجھل الحکام بالدین [۳۷] سیاسی حکام پر تنقید سے قلمون کی بستی اور دیگر

---

۳۴ الامام المجاھد، ص ۱۷۵ ۳۵ ایضاً، ۱۷۰، ۱۷۳

۳۶ ایضاً، ۱۷۱ ۳۷ ایضاً، ۵۴

عرب علاقوں میں ایک انقلاب آگیا اور لوگ جو پہلے سیاست کو شجرِ ممنوعہ سمجھتے تھے، سیاسی مسائل پر کھل کر بحث کرنے لگے۔

رشید رضا چونکہ خود تصوف کے مراحل سے گزرے تھے اس لیے وہ جانتے تھے کہ نام نہاد صوفیا نے عوام کو اوہامِ باطلہ اور خلافِ شریعت بدعتوں میں جکڑ رکھا ہے۔ لہٰذا انھوں نے اس نام نہاد تصوف کا پردہ بھی چاک کیا اور اس مقصد کے لیے متعدد مقالات لکھے، جن میں بڑی عمدگی سے بدعتوں کی بیخ کنی کی گئی ہے۔

قاہرہ میں رشید رضا نے اپنے استاد مفتی محمد عبدہٗ کے ساتھ مل کر علوم دینیہ کی قدیم و مشہور درسگاہ "الازہر" کی اصلاح کے لیے بھی کام کیا۔ چنانچہ مجلہ المنار کے مقالات میں اس کی اصلاح پر بہت زور دیا اور مفید اصلاحی تجاویز پیش کیں۔ ازہر کے شیوخ و اساتذہ کے جمود پر سخت تنقید کی اور علومِ جدیدہ کی اہمیت سے انھیں آگاہ کیا۔ وہ الازہر کے عروج و زوال کی داستان ایک مقالہ میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ "الازہر جو کسی زمانے میں مشرق و مغرب میں سب سے اہم علمی مرکز تھا تدریس کے غلط طریقوں کے باعث پستیوں کا شکار ہو گیا ہے"[۵۳۸]

سید رشید رضا ایک مصلح اور مجدد ہی نہیں، مفسر اور محدث بھی ہیں۔ انھوں نے اپنی تفسیر المنار میں اجتماعی مسائل اور ان کا حل پیش کیا ہے اور اصلاح امت کو موضوع بحث بنایا ہے۔ رشید رضا نے مسلمانوں اور خصوصاً عربوں کی اصلاح کے لیے جو کوششیں کیں اور اس راہ میں جن مصائب و مشکلات کا سامنا کیا وہ زریں حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔ انھوں نے عملِ پیہم اور سعیِ مسلسل کی زندگی بسر کی اور ۱۳۵۴ھ-(۱۹۳۵) میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے[۵۳۹]

---

۵۳۸ الامام المجاهد، ص ۲۰۵ ۵۳۹ ایضاً، ۲۸۲